اُنکے قلم سے بے اختیار ٹپک پڑی۔ پھر اُسکے بعد جو کچھ لکھا ہے وہ مولانا کے جبر سے لکھا ہے؛ اُسکو مرزا کے اصلی خیالات سے کچھ تعلق نہیں۔

ہماری سوسائٹی میں جو ایک عام دستور ہے کہ جو شخص اپنا کلام سُناتا ہے اُسکے ہر ایک شعر پر۔ خواہ اچھا ہو خواہ بُرا۔ برابر تحسین و آفریں کی جاتی ہے اور اچھے اور بُرے شعر میں کچھ تمیز نہیں کی جاتی؛ مرزا کی عادت بالکل اسکے برخلاف تھی۔ کوئی کیسا ہی معزز و محترم آدمی ہو جب تک اُسکا کوئی شعر فی الواقع مرزا کو پسند نہ آتا تھا وہ ہرگز اُسکی تعریف نہ کرتے تھے۔ اخیر عمر میں تو اُن کا ثقلِ سماعت انتہا کو پہونچگیا تھا؛ مگر پہلے ایسا حال نہ تھا۔ وہ کسی قدر اونچی آواز سے بات چیت اور شعر و سخن سُن لیتے تھے؛ مگر جب تک کوئی شعر اُن کے دل میں نہ چُبھتا تھا ٹس سے مس نہوتے تھے۔ اُنکے بعض معاصرین اس بات سے آزردہ رہتے تھے؛ اور اسی لئے اُنکی شاعری پر نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ مگر مرزا باوجودیکہ اُن کی طبیعت نہایت صلح جُو واقع ہوئی تھی۔ شعر کی داد دینے کا جو طریقہ اُنھوں نے اختیار کیا تھا اُسکو وہ کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ لیکن جو شعر اُن کے دل میں چُبھ جاتا تھا اُسکی تعریف بھی ایسی کرتے تھے جو مبالغے کی حد کو پہنچ جاتی تھی۔ وہ درحقیقت کسی کے خوش کرنے کے لئے ایسا نہیں کرتے تھے؛ بلکہ ذوقِ سخن اُن کو بے اختیار کر دیتا تھا۔ شیخ ابراہیم ذوق جنکی نسبت مشہور ہے کہ مرزا کو اُن سے چشمک تھی۔ ایک روز جب کہ مرزا شطرنج میں مصروف تھے منشی غلام علیخاں مرحوم نے اُنکا یہ شعر کسی دوسرے شخص کے سنانے کو پڑھا۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائینگے　　مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

خان مرحوم کہتے تھے کہ مرزا کے کان میں بھی اسکی بھنک پڑ گئی فوراً شطرنج چھوڑ دی اور مجھسے کہا بھیا تمنے کیا پڑھا؟ میں نے پھر وہ شعر پڑھا۔ پوچھا کس کا شعر ہے؟ میں نے کہا ذوق کا۔ یہ سُنکر نہایت متعجب

ہوے؛ اور مجھسے بار بار پڑھواتے تھے اور سر دُھنتے تھے۔ ہم بھی دیکھتے ہیں کہ مرزا نے اپنے اُردو خطوں میں اِس شعر کا جا بجا ذکر کیا ہے۔ جہاں عمدہ شعر کی مثالیں دی ہیں وہاں اِس شعر کو ضرور لکھا ہے۔ اِسی طرح مومن خاں کا جب یہ شعر سُنا۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

تو اسکی بہت تعریف کی اور یہ کہا "کاش مومن خاں میرا سارا دیوان لے لیتا اور صرف یہ شعر مجھکو دے دیتا"۔ اِس شعر کو بھی اُنھوں نے اپنے متعدد خطوں میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح سودا کا یہ شعر بھی ایک مقام پر لکھا ہے

دکھلائیے لیجا کے تجھے مصر کا بازار　　لیکن کوئی خواہاں نہیں واں جنسِ گراں کا

ایک صحبت میں نواب مرزا خاں داغ کے اِس شعر کو بار بار پڑھتے تھے اور اُسپر وجد کرتے تھے۔

رُخِ روشن کے آگے شمع رکھکر وہ یہ کہتے ہیں　　اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

بعض اوقات وہ اپنے شاگردوں کے کلام سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ اُنکی تعریف میں شاید اُنکا دل بڑھانے کو حد سے زیادہ مبالغہ کرتے تھے۔ اُنھوں نے اخیر عمر میں اپنے ایک شاگرد کی غزل دیکھکر اُسکی بے انتہا تعریف کی؛ اور یہ کہا "کہ اگر میں اب رشک کرنیکے قابل ہوتا تو تم محسود ہوتے اور میں حاسد"۔ مرزا پر تقریظوں کی بے انتہا فرمائشیں ہوتی تھیں۔ اور جیسا کہ ظاہر ہے تعریف کی مستحق فی الحقیقۃ بہت ہی کم کتابیں ہوتی ہیں۔ مرزا کی طبیعت چونکہ صلح جو اور مرنج و مرنجاں واقع ہوئی تھی وہ کسی سے انکار تو نہیں کرتے تھے؛ مگر تقریظ نگاری کا اُنھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کوئی بات راستی کے خلاف بھی نہو اور صاحبِ کتاب خوش بھی ہو جاے۔ بہت سا حصہ تمہید میں، یا مصنف کی ذات اور اُسکے اخلاق، یا اُسکی محبت اور دوستی کے بیان میں، یا اور لطیف اور پاکیزہ باتوں کے ذکر میں بیجمل

نہوں۔ختم ہوجاتا تھا۔ اخیر میں کتاب کی نسبت چند جملے جو اصلیت سے خالی نہوتے تھے، اور مصنف کے خوش کرنے کے لئے کافی ہوتے تھے، لکھدیتے تھے۔ اسی وجہ سے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ مرزا سے شکایت کرتے تھے کہ آپ نے ستائش میں مضائقہ کیا ہے۔

جب مرزا نے منشی ہرگوپال تفتہ کے دیوان کی تقریظ۔ جو کلیاتِ نثرِ غالب میں موجود ہے۔ لکھکر بھیجی تو اُنھوں نے بھی اسی قسم کی شکایت کی تھی۔ مرزا اُسکے جواب میں لکھتے ہیں "کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ روش ہندوستانی فارسی لکھنے والوں کی مجھکو نہیں آتی کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کروں۔ میرے قصیدے دیکھو، تشبیب کے شعر بہت پاؤگے، اور مدح کے شعر کمتر۔ نثر میں بھی یہی حال ہے۔ نواب مصطفےٰ خاں کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو کہ اُن کی مدح کتنی ہے؟ مرزا رحیم الدین بہادر حیا تخلص کے دیوان کے دیباچے کو دیکھو۔ وہ جو تقریظ انطباعِ دیوانِ حافظ کی۔ جان جاکوب بہادر کی فرمائش سے لکھی ہے اُسکو دیکھو، کہ فقط ایک بیت میں اُنکا نام اور اُنکی مدح آئی ہے اور باقی نثر میں اور ہی اور مطالب ہیں۔ واللہ باللہ اگر کسی شاہزادے یا امیرزادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا تو اُسکی مدح اتنی نہ کرتا کہ جتنی تمھاری مدح کی ہے۔ ہمکو اور ہماری روش کو اگر پہچانتے تو اتنی مدح کو بہت جانتے۔ قصّہ مختصر تمھاری خاطر کی اور ایک فقرہ تمھارے نام کا بدل کر اُسکے عوض ایک فقرہ اور لکھدیا ہے۔ اس سے زیادہ بیجا مبالغہ میری روش نہیں۔ ظاہرا تم خود فکر نہیں کرتے، اور حضرات کے بہکانے میں آجاتے ہو۔ وہ صاحب تو بیشتر اِس نظم و نثر کو مہمل کہیں گے۔ کس واسطے کہ اُن کے کان اِس آواز سے آشنا نہیں۔ جو لوگ کہ قتیل کو اچھے لکھنے والوں میں جانینگے وہ نظم و نثر کی خوبی کو کیا پہچانیں گے۔

(۳۳) سید احمد خاں نے جب نہایت جانفشانی اور عرقریزی سے آئینِ اکبری کی تصحیح کی تو دلّی کے

مشاہیر نے اُسپر نثر میں تقریظیں لکھی تھیں، اور مرزا نے نظم میں ایک مثنوی لکھی تھی۔ جو اُنکے کلیات میں موجود ہے۔ باوجودیکہ مرزا کو سرسید کی خاطر بہت عزیز تھی، اور وہ اُن سے اور اُنکے خاندان سے مثل یگانوں[†] کے ملتے تھے، مگر چونکہ مرزا۔ ابوالفضل کی طرزِ تحریر کو پسند نہیں کرتے تھے، اور جو آئین اُس کتاب میں لکھے ہیں اُنکو اِس زمانے کے آئینوں کے مقابلے میں ہیچ و پوچ سمجھتے تھے، اور تاریخ کا مذاق جیسا کہ خود اُنھوں نے اعتراف کیا ہے بالکل نرکھتے تھے اِس لئے آئینِ اکبری کی تصحیح کو اُنھوں نے ایک فضول کام سمجھا۔ گو اُنکی یہ راے غلط ہو یا صحیح۔ مگر جو کچھ آئینِ اکبری اور اُسکی تصحیح کی نسبت اُن کا خیال تھا اُسکو تقریظ میں ظاہر کئے بغیر نہیں رہے۔ چنانچہ اُس مثنوی کے اوّل کے چند شعر ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

مژدہ یاراں را کہ ایں دیریں کتاب — یافت از اقبالِ سیّد فتح باب

دیدہ بینا آمد و بازو قوی — کہنگی پوشید تشریفِ نوی

ویں کہ در تصحیحِ آئیں راے اوست — ننگ و عارِ ہمتِ والاے اوست

دل بہ شغلے بست و خود را شاد کرد — خود مبارک* بندہ آزاد کرد

گوہرش را آنکہ نتواند ستود — ہم بدیں کارش ہمی داند ستود

بر چنیں کارے کہ اصلش ایں بود — آں ستایدکش ریا آئیں بود

من کہ آئینِ ریا را دشمنم — در وفا اندازہ دانِ خود منم

[†] مرزا آثار الصنادید کی تقریظ میں سرسید کی نسبت لکھتے ہیں "باہمگانش ولیست از فرزانگی بآئین بردمی دانا؛ وبامنش پیوستہ از یکتائی و پیوند خویں دانا"

* مبارک بندہ آزاد کردن عبث کام کرنے کو کہتے ہیں۔ اِسمیں لطف یہ ہے کہ ابوالفضل کے باپ کا نام مبارک تھا۔

گر بدیں کارش نگویم آفریں   جائے آں دارد کہ جویم آفریں

اسکے بعد انگریزوں کے آئین و قانون و ایجادات کسی قدر بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ ان چیزوں کے سامنے پچھلے آئین سب تقویم پارینہ ہوگئے ہیں اسکے بعد لکھتے ہیں

طرزِ تحریرش اگر گوئی خوش ست   نے فزوں از ہر چہ می جوئی خوش ست

ہر خوشے را خوشترے ہم بودہ است   گر سرے ہست افسرے ہم بودہ است

مبدأ فیاض را مشمر بخیل   نوز*می ریزد رطب ہا زاں نخیل

مردہ پروردن مبارک کار نیست   خود بگو کاں نیز جز گفتار نیست

غالب آئینِ خموشی دلکش ست   گرچہ خوش گفتی و گفتن ہم خوش ست

در جہاں سید پرستی دینِ تست   از ثنا بگذر دعا آئینِ تست

ایں سراپا فرہ و فرہنگ را   سید احمد خانِ عارف جنگ را

ہر چہ خواہد از خدا موجود باد   پیشکارش طالع مسعود باد

چونکہ اس تقریظ میں آئینِ اکبری کی تنقیص کی گئی تھی اور سر سید نے جو ایک نہایت مفید کام کیا تھا اُسکی کچھ داد نہیں دی گئی تھی بلکہ اُسکو غیر مفید ظاہر کیا گیا تھا اس لئے اُنھوں نے آئینِ اکبری کے آخر میں مرزا کی تقریظ کو نہیں چھپوایا۔

مرزا کی دراکی اور عالی فطرتی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ۔ باوجودیکہ ایسی سوسائٹی میں گھرے ہوئے تھے جس میں سلف کی تقلید سے ایک قدم تجاوز کرنا ناجائز سمجھا جاتا تھا۔ اپنے فن میں محققانہ

* ؎ اپنی شاعری اور انشا پردازی کی طرف اشارہ ہے ۱۲

چال چلتے تھے؛ اور اندھا دُھند اگلوں کی تقلید ہرگز نہ کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جامع برہانِ قاطع کی شہرت اور ناموری اُنکو اُسکا تخطیہ کرنے سے مانع نہیں ہوئی۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "یزداں دلِ دانا و چشمِ بینا بہراں دادہ است کہ کار بدانش و بینش ازیں ہر دو گوہر پُر فر گیریم؛ و ہر چہ بنگریم جز بدستوریِ دانش آں را نپذیریم۔ اُستادی و شاگردی پیری و مریدی نیست کہ تنہا اعتقاد بس باشد؛ و بدیں کلمہ مشہور کہ "پیرِ من خس ست و اعتقادِ من بس ست" از بازپرس ایمنی روے دہد" حالانکہ وہ ایران کے نامور شعرا کا نہایت ادب کرتے تھے اور اُنکا ذکر ہمیشہ تعظیم اور احترام کے ساتھ کرتے تھے؛ پھر بھی اندھوں کی طرح اُنکی تقلید نہ کرتے تھے۔ جو امور سماع اور نقل سے علاقہ رکھتے تھے اُن میں اُن کے کلام کو بے چون و چرا تسلیم کرتے تھے، مگر جو باتیں عقل اور درایت سے تعلق رکھتی ہیں اُن میں اُنکی تقلید کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ ایک خط میں حزیں کا۔ جسکو وہ بہت بڑا اُستاد جانتے تھے۔ یہ مطلع نقل کرتے ہیں "زرکتا زیِ آں نازنیں سوار ہنوز ؎ زسبزہ می دمد انگشتِ زینہار ہنوز" پھر لکھتے ہیں کہ اس مطلع میں ایک ہنوز زائد اور بیہودہ ہے؛ متتبع کے واسطے سند نہیں ہوسکتا، یہ غلط محض ہے، یہ سقم ہے، یہ عیب ہے، اسکی کون پیروی کریگا۔ حزیں تو آدمی تھا یہ مطلع اگر جبرئیل کا ہو تو اسکو سند نہ جانو؛ اور اسکی پیروی نہ کرو۔ ایک خط میں منشی ہرگوپال کو لکھتے ہیں "یہ نہ سمجھا کرو کہ اگلے جو لکھ گئے ہیں وہ حق ہے، کیا آدمی احمق پیدا نہیں ہوتے تھے؟

مرزا کے کلام پر اگر کوئی ٹھیک اعتراض کرتا تھا، یا کوئی عمدہ تصرف اُنکے شعر میں کرتا تھا؛ اُسکو فوراً تسلیم کر لیتے تھے؛ اور شعر کو بدل ڈالتے تھے۔ مثنوی دردو داغ میں اُن کا ایک مصرعہ تھا "خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد"، جب مرزا نے یہ مثنوی تحفۂ ناطق مکرانی کو بھیجی تو اُس نے مرزا کو

لکھا "خوک ئم دارو نہ پنجہ اگر نزدیک اساتذہ اطلاق سُم و پنجہ بیک محل روا باشد اعلام باید فرمود" مرزا نے اسکے جواب میں صاف لکھ بھیجا کہ اگر کلیاتِ فارسی کے چھپنے سے پہلے آپ کا خط پہونچ جاتا تو میں اِس لفظ کو بدل ڈالتا، اور اُس مصرع کو اِس طرح بنا دیتا "خوک شد و بہ نفسی سازکرد"، چنانچہ جب مرزا کا کلام دوسری بار چھپا تو انھوں نے یہ مصرعہ اسی طرح بنا دیا۔

مرزا کے ایک فارسی قصیدے کی تشبیب کا یہ شعر ہے۔

ہمچناں در تتقِ غیب ثبوتے دارند ۔۔۔ بوجودے کہ ندارند زخارج اعیاں

مرزا صاحب خود مجھسے کہتے تھے کہ میں نے ثبوتے کی جگہ نمودے لکھا تھا۔ مولوی فضل حق کو جب یہ شعر سنایا تو انھوں نے کہا کہ اعیانِ ثابتہ کے لئے نمود کا لفظ نامناسب ہے اسکی جگہ ثبوت بنا دو، چنانچہ طبع ثانی میں اُنھوں نے بجائے نمود کے ثبوت بنا دیا ہے اِسیطرح ایک قصیدے کے مطلع کا پہلا مصرعہ یہ ہے

عیدِ اضحےٰ بسرآغازِ زمستاں آمد

مرزا نے اول عیدِ قرباں لکھا تھا پھر نواب مصطفےٰ خاں مرحوم کے کہنے سے عید اضحےٰ بنایا گیا۔ حالانکہ نواب موصوف خود مرزا سے مشورۂ سخن کرتے تھے اور مومن مرحوم کے بعد ہمیشہ اُنھیں کو اپنا کلام دکھاتے تھے ان باتوں کے بیان کرنے سے مرزا کی لغزشیں خلقت کو دکھانی مقصود نہیں ہیں بلکہ انصاف اور حق پسندی کی شریف خصلت اور وہ ملکہ جسکے بغیر انسان کبھی ترقی نہیں کرسکتا مرزا کی ذات میں دکھانا مقصود ہے۔ جن لوگوں میں اپنی غلطی کو تسلیم کرنے کی قابلیت نہیں ہوتی اُن کا اپنے فن میں ترقی کرنا ناممکن ہے۔

حالانکہ ایشیائی شاعری۔ جسکی بنیاد جھوٹ اور مبالغے پر رکھی گئی ہے۔ مرزا کی رگ و پے میں

سرایت کرگئی تھی باوجود اسکے وہ روایت اور حکایت اور وعدہ و اقرار اور بات چیت میں نہایت راست گفتار اور صادق اللہجہ تھے۔ اسی لئے جو شخص اُنکے وعدے یا اقرار کا یقین نہ کرتا تھا اُس سے نہایت ناراض ہوتے تھے۔ تفضل حسین خاں مرحوم خلف دیوان فضل اللہ خاں سے مرزا نے اپنا دیوان مانگا ہے اور اقرار کیا ہے کہ میں اُسکو دیکھکر واپس بھیجدوں گا۔ اُنھوں نے دیوان کے دینے سے انکار کیا ہے۔ اُن کے انکار کے جواب میں مرزا لکھتے ہیں "کیوں صاحب! یہ چچا بھتیجا ہونا اور شاگردی و اُستادی سب پر پانی پھر گیا؟ اگر کوئی ہزار پانسو کی چیز ہوتی اور میں تم سے مانگتا تو خدا جانے تم کیا غضب ڈھاتے؟ میرا کلام! خرید آٹھ دس روپیے کی! سو وہ بھی میں یہ نہیں کہتا کہ مجھکو دے ڈالو، تمکو مبارک رہے، مجھکو مستعار دو، میں اُسکو دیکھ لوں، جو میرے پاس نہیں ہے اُسکی نقل کروں، پھر تم کو واپس بھیجدوں، اس طرح کی طلب پر نہ دینا دلیل اسکی ہے کہ مجھکو جھوٹا جانتے ہو، میرا اعتبار نہیں، یا یہ کہ مجھکو آزار دینا اور ستانا بدل منظور ہے۔ وہ کتاب ابھی میرے آدمی کو دیدو۔ باللہ و اللہ میں اُسمیں سے جو میرے پاس نہیں ہے نقل کرکے بھیجدونگا۔ اگر تمکو واپس نہ دوں تو مجھپر لعنت، اور اگر تم میری قسم کو نہ مانو اور کتاب حامل رقعہ کو نہ دو تو تمکو آفریں"

اسی طرح ایک خط میں نواب علاؤالدین خاں کو لکھتے ہیں

"بدست مرگ دلے بدتر از گمانِ تونیست

مکرر لکھ چکا ہوں کہ قصیدے کا مسودہ میں نے نہیں رکھا، مکرر لکھ چکا ہوں کہ مجھے یاد نہیں کون سی رباعیاں مانگتے ہو، پھر لکھتے ہو کہ رباعیاں بھیج، قصیدہ بھیج، معنی اِسکے یہ کہ تو جھوٹا ہے، اب کے تو مقرر بھیجے گا۔ بھائی قرآن کی قسم، انجیل کی قسم، توریت کی قسم، زبور کی قسم، ہنود کے چار بید کی

قسم، دساتیر کی قسم، ژند کی قسم، پاژند کی قسم، اُستا کی قسم، گرو کے گرنتھ کی قسم، نہ میرے پاس وہ قصیدہ، نہ مجھے وہ رباعیاں یاد۔ کلیات کے باب میں جو عرض کر چکا ہوں ؎

برہا نیم کہ ہستیم و ہمساں خواہد بود"

مرزا کی اسی راستبازی کا سبب تھا کہ وہ کوئی کام چھپا کر نہیں کرتے تھے۔ جو دل میں تھا وہی زبان پر تھا۔ جو خلوت میں کرتے تھے وہی جلوت میں بھی کرتے تھے۔ پس اگر اُن میں کوئی عیب تھا تو وہی تھا جسکو ہر کس و ناکس جانتا تھا؛ مخفی عیبوں سے وہ بالکل پاک تھے

ناقدردانی کی شکایت

وہ اس خیال سے کہ اُن کے کلام کی قدر کرنے والے بہت کم تھے اکثر تنگ دل رہتے تھے۔ چنانچہ اس بات کی اُنھوں نے فارسی اور اُردو نظم و نثر میں جابجا شکایت کی ہے ایک روز قلعے سے سیدھے نواب مصطفےٰ خاں کے مکان پر آئے؛ اور کہنے لگے کہ "آج حضور نے ہماری بڑی قدردانی فرمائی۔ عید کی مبارکباد میں قصیدہ لکھکر لے گیا تھا؛ جب میں قصیدہ پڑھ چکا تو ارشاد ہوا کہ "مرزا تم پڑھتے بہت خوب ہو" اسکے بعد نواب صاحب اور مرزا زمانے کی ناقدردانی پر دیر تک افسوس کرتے رہے۔ مہر نیمروز میں اس مضمون کو کہ میں نے اپنا کمالِ شاعری محض ناقدردانوں کی مدح سرائی میں صرف کیا وہ ایک جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں "سینۂ من نفَسے داشت بہ رواں آسائیِ نسیمے کہ از نسترن زار وزد؛ زیاں زدہ من۔ کہ دم جز بہ نابایست نزدم۔ بنانِ مرا قلمے بود بہ دُجلہ باریِ ابرے کہ از قبلہ خیزد؛ بیہدہ کوش من۔ کہ باراں بشورہ زار فرو ریختم" یہی وجہ تھی کہ جب حسنِ اتفاق سے اُن کو کوئی سخن سنج اور سخن فہم میسر آجاتا تھا تو اُسکو ایک نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتے تھے۔ منشی نبی بخش حقیر تخلص۔ جو ایک زمانے میں کول میں سررشتہ دار تھے، اور جنکی سخن فہمی اور سخن سنجی کی

سخن فہمی کی قدر
منشی حقیر کی تعریف

بڑے بڑے لوگوں سے تعریف سُنی گئی ہے۔ کہیں وہ دلّی میں آئے ہیں؛ اور مرزا کے مکان پر ٹھیرے ہیں اُن کی نسبت منشی ہرگوپال تفتہ کو ایک فارسی خط میں لکھتے ہیں جسکا ماحصل یہ ہے کہ "خدا نے میری بیکسی اور تنہائی پر رحم کیا؛ اور ایسے شخص کو میرے پاس بھیجا جو میرے زخموں کا مرہم، اور میرے درد کا درماں اپنے ساتھ لایا؛ اور جسنے میری اندھیری رات کو روشن کر دیا۔ اُسنے اپنی باتوں سے ایک ایسی شمع روشن کی جسکی روشنی میں مَیں نے اپنے کلام کی خوبی۔ جو تیرہ بختی کے اندھیرے میں خود میری نگاہ سے مخفی تھی۔ دیکھی۔ میں حیران ہوں کہ اس فرزانۂ یگانہ یعنی منشی نبی بخش کو کس درجے کی سخن فہمی اور سخن سنجی عنایت ہوئی ہے؛ حالانکہ میں شعر کہتا ہوں اور شعر کہنا جانتا ہوں؛ مگر جب تک میں نے اس بزرگوار کو نہیں دیکھا یہ نہیں سمجھا کہ سخن فہمی کیا چیز ہے؛ اور سخن فہم کسکو کہتے ہیں؟ مشہور ہے کہ خدا نے حُسن کے دو حصّے کئے؛ آدھا یوسف کو دیا اور آدھا تمام بنی نوعِ انسان کو۔ کچھ تعجب نہیں کہ فہمِ سخن اور ذوقِ معنی کے بھی دو حصّے کئے گئے ہوں اور آدھا منشی نبی بخش کے اور آدھا تمام دنیا کے حصّے میں آیا ہو۔ گو زمانہ اور آسمان میرا کیسا ہی مخالف ہو میں اس شخص کی دوستی کی بدولت زمانے کی دشمنی سے بےفکر ہوں؛ اور اس نعمت پر دنیا سے قانع۔

مرزا پر جب شعر کے متعلق کوئی ایسی فرمائش کی جاتی تھی جو اُن سے بآسانی سرانجام نہ ہو سکتی تھی تو وہ اس بات کا کچھ خیال نہ کرتے تھے کہ میری شاعری کی شہرت و ناموری پر حرف آئیگا؛ بلکہ صاف لکھ بھیجتے تھے کہ میری طاقت سے باہر ہے۔ ایک بار غالباً مجتہد العصر سید محمد صاحب مرحوم و مغفور نے مرزا سے اس بات کی خواہش کی کہ اُردو میں جناب سید الشہدا کا مرثیہ لکھیں۔ چونکہ مرزا اُنکی بہت تعظیم کرتے تھے اور اُنکے سوال کو رد کرنا نہیں چاہتے تھے اُن کے حکم کی تعمیل کے لئے مرثیہ لکھنے بیٹھے۔ چونکہ

اِس کوچے میں کبھی قدم نہ رکھا تھا، اور فرمائش ایسی چیز کی ہوئی تھی جسکو اور لوگ حدِ کمال تک پہنچا چکے تھے، اور قوٰے میں انحطاط شروع ہو گیا تھا؛ مشکل سے مسدس کے تین بند لکھے جنمیں سے پہلا بند ہمکو یاد ہے اور یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ہاں اے نفسِ بادِ سحر شعلہ فشاں ہو | اے دجلۂ خوں چشمِ ملائک سے رواں ہو
اے زمزمۂ قُم لبِ عیسیٰ پہ فغاں ہو | اے ماتیانِ شہِ مظلوم کہاں ہو

بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

ایک یہ اور دو بند اور لکھکر مجتہد العصر کی خدمت میں بھیجدیے، اور صاف لکھ بھیجا کہ "تین بند صرف امتثالِ امر کے لئے لکھے ہیں؛ ورنہ میں اِس میدان کا مرد نہیں ہوں؛ یہ اُن لوگوں کا حصّہ ہے جنہوں نے اِس وادی میں عمریں بسر کی ہیں، مجھکو اُن کے درجے تک پہنچنے کے لئے ایک دوسری عمر درکار ہے۔ پس مجھے اِس خدمت سے معذور و معاف رکھا جائے"، اُن کا قول تھا کہ ہندوستان میں انیس اور دبیر جیسا مرثیہ گو نہ ہوا ہے نہ آیندہ ہوگا۔

بعض اوقات ایسی فرمایشوں سے جنکے سرانجام کرنے میں اُن کو دقت اُٹھانی پڑتی تھی بڑے لطف کے ساتھ پہلو بچاتے تھے۔ یہ بات معلوم ہے کہ مادۂ تاریخ نکالنے سے وہ ہمیشہ گھبراتے تھے۔

ایک بار نواب علاؤالدین خاں مرحوم نے اپنے لڑکے کی ولادت کی تاریخ اور اُسکے تاریخی نام کی فرمائش کی اُسکے جواب میں لکھتے ہیں "شیر اپنے بچوں کو شکار کا گوشت کھلاتا ہے؛ طریق صید افگنی سکھاتا ہے جب جوان ہو جاتے ہیں آپ شکار کر کھاتے ہیں۔ تم سخنور ہو گئے، حسنِ طبع خدا داد رکھتے ہو، ولادتِ فرزند کی

تاریخ کیوں نہ کہو؟ اسم تاریخی کیوں نہ نکال لو؟ کہ مجھ پیر غمزدہ دل مُردہ کو تکلیف دو۔ علاؤالدین خان! تیری جان کی قسم!! میں نے پہلے لڑکے کا جو اسم تاریخی نظم کر دیا تھا، اور وہ لڑکا نہ جیا؛ مجھکو اِس وہم نے گھیرا ہے کہ وہ میری نحوستِ طالع کی تاثیر تھی۔ میرا ممدوح جیتا نہیں؛ نصیرالدین حیدر، اور امجد علی شاہ ایک ایک قصیدے میں چل دیے۔ واجد علی شاہ تین قصیدوں کے متحمل ہوے؛ پھر نہ سنبھل سکے۔ جسکی مدح میں دس بیس قصیدے کہے گئے وہ عدم سے بھی پرے پہنچا۔ نا صاحب دُہائی خدا کی! میں نہ تاریخ ولادت کہوں گا، نہ نام تاریخی ڈھونڈھونگا۔

باوجودیکہ مرزا کی تمام عمر قصیدہ گوئی اور مدح سرائی میں گذری، اور اکثر ایسا اتفاق ہوا کہ مدح و ستائش کا صلہ اُن کو کچھ نہیں ملا، اور جو محنت اور کاوش اُن کو قصیدوں کی ترتیب میں کرنی پڑی وہ سب رائگاں گئی؛ مگر اُنھوں نے کسی کی ہجو میں کوئی قطعہ یا قصیدہ کبھی نہیں لکھا۔ صرف ایک قطعہ جو مرزا کے مطبوعہ کلیات میں درج نہیں ہے۔ ہمکو اُن کے قلمی مسودات میں دستیاب ہوا ہے۔ جو میرے دوست اور مرزا صاحب کے عزیز شاگرد لالہ بہاری لال مشتاق دہلوی نے اِس کتاب کے لکھتے وقت میرے پاس بھیجے ہیں۔ اس قطعہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے ایک امیر کی مدح میں ایک فارسی قصیدہ مع عرضداشت کے ارسال کیا ہے، اور اُسکا جواب مدتِ دراز تک مرزا کو نہیں ملا؛ تب مرزا نے بطور تقاضے کے یہ قطعہ بھیجا ہے۔ جسکو مشکل سے ہجوِ ملیح کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ اِس قطعہ کا مضمون لطف سے خالی نہیں اِس لئے ہم اوّل اُسکا خلاصہ اُردو زبان میں لکھتے ہیں؛ اسکے بعد قطعہ بجنسہٖ نقل کیا جائیگا۔

قطعہ کا ماحصل یہ ہے کہ میں نے عقل سے پوچھا کہ میں نے ایسا اور ایسا قصیدہ نواب کی خدمت میں

بھیجا تھا، اور اُسکے ساتھ عرضداشت بھی گذرانی تھی؛ پھر کیا سبب ہے کہ جواب عنایت نہیں ہوا؟ کیا نواب مجھسے آزردہ ہوگیا؟ اگر یہ بات ہے تو میں نے ناحق تعریف لکھی۔ خدا جانے میں نے کیا لکھدیا ہوگا جسپر نواب کو آزردگی ہوئی۔ عقل نے کہا تو کیوں گھبراتا ہے؟ نواب جس ساز و ساماں کے ساتھ صلہ بھیجنا چاہتا ہے وہ جلدی فراہم نہیں ہوسکتا۔ اُسنے بہت دن سے حکم دے رکھا ہے کہ دمشق سے دیبا، روم سے مخمل، معدن سے الماس، کان سے سونا، دکن سے ہاتھی، پہاڑ سے زمرد، عراق سے گھوڑا، دریا سے موتی، نیشاپور سے فیروزہ، بدخشاں سے یاقوت، بغداد سے سانڈنی، اصفہاں سے تلوار، کشمیر سے پشمینہ، ایران سے زربفت، یہ سب چیزیں فراہم کرکے لائیں؛ تب غالب کو صلہ بھیجا جائے۔ پس جبکہ یہ ساری ڈھیل اِس وجہ سے ہے تو اُسکو نواب کی آزردگی کی دلیل نہ سمجھنا چاہیے۔ جب عقل نے مجھکو یہ دم دیا تو میری تمام یاس و ناامیدی امید کے ساتھ بدل گئی۔ میں نے بھی اپنے دل میں کہا کہ جب ممدوح میرے لئے یہ کچھ کرنا چاہتا ہے تو میں بھی اُسکے لئے آئینہ اور تاج سکندر سے، انگشتری اور تخت سلیماں سے، جامِ جمشید عالمِ غیب سے، آبِ حیواں چشمۂ خضر سے، عمرِ ابد، نشاطِ جاوید، دل کی قوت، ایمان کی مضبوطی اپنے خدا سے، اور اپنی عرضی کا جواب اور قصیدے کا صلہ ممدوح سے کیوں نہ مانگوں،،

قطعہ

گفتم بخرد بخلوتِ اُنس   کاے شمع و چراغِ ہفت ایواں

آیا ز چہ رُو بود کہ نواب   ننوشت جوابِ نامہ ام - ہاں!

آں گونہ عریضۂ کہ دانی   درویش نوشتہ سوے سلطاں

آں گونہ قصیدۂ کہ گوئی   از صفحہ دمیدہ سُنبلستاں

ایں ہر دو رسید و نیست پیدا   زاں سو اثرے بہیچ عنواں

رنجید مگر ز مدح نواب   اے کاش نہ گشتمے ثناخواں

ہیہات چہ گفتہ ام کہ باشم   از گفتۂ خویشتن پشیماں

عقلم بجواب گفت ،،غالب!   زنہار مخور فریبِ شیطاں

نواب بفکرِ ارمغان است   تا نامہ فرستدت بساماں

داناکہ بخاطرش گذشتہ است   زود آں ہمہ جمع کرد نتواں

زودست کہ جمع نیز گردد   دیرست کہ دادہ است فرماں

تا راہ روانِ بحر و بر گرد   آرند بکوششِ فراواں

دیبا ز دمشق و مخمل از روم   الماس ز معدن و زر از کاں

نیل از دکن و زمرد از کوہ   توسن ز عراق و در ز عماں

فیروزۂ نغز از نشاپور   یاقوتِ گزیدہ از بدخشاں

جمازۂ تیز رو ز بغداد   شمشیرِ بُرندہ از صفاہاں

پشمینۂ قیمتی ز کشمیر   زربفتِ گراں بہا ز ایراں

بالجملہ درنگ چوں ازیں روست   بر رنج و ملال نیست برہاں

چوں پیرِ خرد بدلفریبی   گفت ایں ہمہ رازہاے پنہاں

گشتم بدرم امیدواری   مرہم بہ زخم یاس و حرماں

گفتم کہ چو با من ایں کرم کرد   آں قبلۂ و قبلہ گاہِ اعیاں

ناچار ز راہِ حق گذاری　　تا کردہ شود تلافیٔ آں
من نیز طلب کنم برایش　　ایں خواہش اگرچہ نیست آساں
آئینہ و تاج از سکندر　　انگشتر و تخت از سلیماں
از عالمِ غیب جامِ جمشید　　از چشمۂ خضر آبِ حیواں
عمرِ ابد و نشاطِ جاوید　　نیروے دل و ثباتِ ایماں
توفیقِ جوابِ نامۂ خویش　　توقیعِ عطا و بذلِ احساں

تعلقات

مرزا کی بی بی - جو الٰہی بخش خاں معروف کی بیٹی تھیں - وہ نہایت متقی پرہیزگار اور نماز روزہ کی سخت پابند تھیں . جس قدر مرزا مذہبی معاملات میں بے مبالات تھے اُسی قدر اُن کی بی بی احکامِ مذہبی کی پابند تھیں ; یہاں تک کہ بی بی کے کھانے پینے کے باسن الگ اور شوہر کے الگ رہتے تھے . بایں ہمہ بی بی شوہر کی خدمتگذاری اور خبرگیری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتی تھیں . مرزا صاحب ہمیشہ مردانے مکان میں رہتے تھے مگر اُنکے کھانے اور دوا ٹھنڈائی اور جڑاول وغیرہ کا انتظام سب گھر میں سے ہوتا تھا . مرزا میں جب تک چلنے پھرنے کی طاقت رہی ہمیشہ وقتِ معیّن پر ایک بار وہ گھر میں ضرور جاتے تھے . اور بی بی اور اُن کے تمام رشتہ داروں کے ساتھ نہایت عمدہ برتاؤ رکھتے تھے ، اور اپنی جان سے بڑھکر اُن کی ضروریات اور اخراجات کا خیال رہتا تھا . مگر چونکہ شوخی اور ظرافت اُنکی گُھٹی میں پڑی تھی اُنکی زبان و قلم سے بی بی کی نسبت اکثر ایسی باتیں نکل جاتی تھیں جنکو ناواقف آدمی نفرت یا بے تعلقی پر محمول کر سکتا ہے .

لطیفہ

کسی نے امراؤ سنگھ نام ایک شاگرد کی دوسری بی بی کے مرنے کا حال مرزا کو لکھا ، اور اسمیں یہ بھی لکھا

کہ اُسکے ننھے ننھے بچے ہیں ; اب اگر تیسری شادی نہ کرے تو کیا کرے ؟ اور بچوں کی کس طرح پرورش ہو ؟ مرزا اُسکے جواب میں لکھتے ہیں "امراؤ سنگھ کے حال پر اُسکے واسطے رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے . اللہ اللہ !!! ایک وہ ہیں کہ دو دو بار اُنکی بیڑیاں کٹ چکی ہیں ، اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے تو نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے ، نہ دم ہی نکلتا ہے . اُسکو سمجھاؤ کہ بھائی تیرے بچوں کو میں پال لونگا ، تو کیوں بلا میں پھنستا ہے" وہ ہمیشہ تعلقاتِ خانگی کو جِدّاً یا ہزلاً ایک سخت مصیبت بتایا کرتے تھے .

لطیفہ

جاڑے کے موسم میں ایک دن طوطے کا پنجرا سامنے رکھا تھا . طوطا سردی کے سبب پروں میں مُنہ چھپائے بیٹھا تھا . مرزا نے دیکھکر کہا "میاں مِٹھو ! نہ تمھارے جورو نہ بچے ، تم کس فکر میں یوں سر جھکائے بیٹھے ہو ؟

لطیفہ

ایک دفعہ مرزا مکان بدلنا چاہتے تھے . ایک مکان آپ خود دیکھکر آئے ; اُسکا دیوانخانہ تو پسند آگیا ، مگر محلسرا خود نہ دیکھ سکے . گھر پر آکر اُسکے دیکھنے کے لئے بی بی کو بھیجا . وہ دیکھکر آئیں تو اُن سے پسند ناپسند کا حال پوچھا . اُنھوں نے کہا اسمیں تو لوگ بلا بتاتے ہیں . مرزا نے کہا کیا دنیا میں آپ سے بھی بڑھکر کوئی بلا ہے ؟

یہاں مرزا کا ایک قطعہ اور ایک رباعی مقتضائے مقام کے موافق لکھی جاتی ہے

قطعہ

گیر کہ در روزِ حشر چوں تو بہشتی　　بر سرِ دوزخ نہند تیرہ نہنبن (سرپوش)
لیک نباشد دراں مضیقِ مصیبت　　در طلبِ نان و جامہ کشمکش از زن
لیک نباشد دراں مقامِ صعوبت　　شورِ تقاضاے نارواے مہاجن

رباعی

اے آں کہ براہِ کعبہ روے داری　　دانم کہ گزیدہ آرزوے داری
زیں گونہ کہ تندمی خرامی - دانم　　در خانہ زنے ستیزہ خوے داری

لطیفہ

مرزا اپنی شوخیٔ طبع کے ہاتھ سے مجبور تھے ، اور کسی موقع پر خوش طبعی کرنے سے نہ چوکتے تھے -